جلد02شمارہ16،2023

Article

Analytical Study of Nasera Sharma’s Novel “Shalmali”

ناصرہ شرما کے ناول "شالملی" کا تجزیاتی مطالعہ

Nasreen Ruby*[1], Dr. Muhammad Khawar Nawazish[2]

[1] PhD Scholar, Department of Urdu, BZU Multan

[2] Associate Professor, Department of Urdu, BZU Multan

*Correspondence:

نسرین روبی[1] ،ڈاکٹر محمد خاور نوازش[2]

[1] پی ایچ ڈی اسکالر، شعبہ اردو، بہاءالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

[2] ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اردو، بہاءالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

Abstract: Nasera Sharma is one of the most celebrated contemporary novelists of India. She is an enlightened woman who hailed from a Muslim Indian Family but married into a Hindu family and nurtured religious harmony in her work like her name. Nasera Sharma made various aspects of Indian society and especially the social status of women, the subject of her novels. Her novel “Shalmali” was published in 1988 and has won various literary awards. In this novel, Nasera Sharma has presented the subject of the bitterness and mental conflict of a woman's married life. At the same time, it has also represented the mental tendencies of the men of the Indian society. In this article Shalamali's analytical study is presented, which reveals that despite the border between India and Pakistan, women are living their private lives with similar mental conditions in the male-dominated society on both sides.

Keywords: Novel, Society, Indian Woman, Married life, Male Dominated Sociel Norms, Urdu Fiction

eISSN: 2073-3674
pISSN: 1991-7813
Received:10-09-2023
Accepted:15-11-2023
Online:20-06-2023

Copyright: © 2023 by the authors. This is an open-access article distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

ناصرہ شرما(۱) کا شمار ہندوستان سے تعلق رکھنے والے معتبر فکشن نگاروں میں ہوتا ہے۔ وہ الہٰ آباد یونیورسٹی کے پروفیسر سید ضامن علی کی بیٹی اور جواہر لال نہرو یونیورسٹی دہلی کے پروفیسر رام چندر شرما کی بیوی اور ہندوستان میں ہند مسلم کلچر کا نمائندہ تخلیقی پیکر ہیں۔ وہ جامعہ ملیہ اسلامیہ کے شعبہ فارسی میں درس و تدریس سے منسلک رہیں لیکن اصل میدان فکشن اور بالخصوص ناول نگاری ہے۔ ان کا پہلا ناول "شالملی" ۱۹۸۸ء میں شائع ہوا۔ ۱۹۹۲ء میں "زندہ محاورے" پاکستان اور ہندوستان کی تقسیم اور ہجرت کے حوالے سے لکھا۔ اس کے بعد "ٹھیکرے کی منگنی" اور "بہشتِ زہرہ" ۱۹۹۹ء میں شائع ہوئے۔ ۲۰۰۳ء میں "اکشے وٹ" اور ۲۰۰۵ء میں "کوئی انجان" تصنیف کیا ، جس میں پانی کے مسائل کی طرف توجہ مبذول کرائی گئی ہے۔ ۲۰۰۸ء میں "زیرو روڈ" شائع ہوا جس میں دبئی میں رہنے والے ہندوستانی مزدوروں کے حالاتِ زندگی کو موضوع بنایا گیا ہے۔ ناصرہ شرما نے ۲۰۱۱ء میں "پری جات" لکھا جس میں انسانی جذبات کو تاریخی و تہذیبی حقائق کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔ ۲۰۱۲ء میں "ادبی جزیرہ" میں عراق کے حالات کو موضوع بنایا۔ "کاغذ کی ناؤ" ۲۰۱۴ء میں منظرِ عام پر آیا جس میں ہندوستان کے ان خاندانوں کے مسائل بیان کیے گئے ہیں جن کے گھر کے افراد روزی روٹی کے سلسلے میں ملک سے باہر گئے ہوئے ہیں۔ اس کے بعد ۲۰۱۷ء میں "شبد پکھیرو" اور "دوسری جنت" شائع ہوئے۔ ناصرہ شرما کا یہ تخلیقی سفر تاحال جاری ہے۔ ہندوستانی سماج کے مختلف پہلوؤں اور بالخصوص معاشرتی زندگی کی تلخ حقیقتوں پر اُن کی گہری نظر ہے اور وہ اپنے فکشن میں زیادہ تر انھی کو موضوع بناتی ہیں۔ اپنی ذاتی زندگی کے تجربات کو سامنے رکھتے ہوئے ناصرہ شرما نے ہمیشہ مذہبی تعصب کی مخالفت کی۔ اس ضمن میں وہ بہت روشن فکر تخلیق کار اور ایک ایسے سماج کی خواہش مند ہیں جہاں مذہبی تفاوت کے نام پر کوئی دیواریں کھڑی نہ کی جائیں۔ اس ضمن میں ایک انٹرویو میں کہتی ہیں:

> "گھر میں ہندو، ہندی، اردو، عربی، فارسی کے لیے کوئی تعصب نہ تھا تو آپ سوچ سکتے ہیں کہ ایسی بچی کی آنکھیں کتنی روشن اور کھلی ہوں گی کہ اس کو کوئی دیوار نظر ہی نہیں آتی تھی۔"(۲)

ان کی پرورش الہٰ آباد کے ایسے ماحول میں ہوئی جہاں پر آدھی آبادی ہندوؤں کی اور آدھی مسلمانوں کی تھی۔ ان کا گھر الہٰ آباد کی "پتھر گلی" میں تھا اور یہ "پتھر گلی" گھر کے آنگن کی طرح ہی تھی۔ وہ ہندو مسلم رشتے کے بارے میں کہتی ہیں:

> "ہندو اک مہکتا ہوا پھول ہے اور مسلمان ایک مہکتی ہوئی جو ہی کا درخت۔"(۳)

ناصرہ شرما نے جو بھی لکھا، بے باکی اور سچائی سے لکھا۔ ناولوں کے علاوہ کئی ناٹک اور ٹیلی فلمیں بھی لکھیں جن میں زیادہ تر اپنے معاشرے کے لوگوں کے دکھ اور بھوک کو موضوع بنایا۔ انھوں نے عام انسان کے دکھ درد کو سمجھا، کرداروں کو اپنی تمام اچھائیوں اور

برائیوں کے ساتھ دیکھا اور پھر دھرم اور نظریات سے بالاتر ہو کر ان پر لکھا۔ خاص طور پر اپنے ہندوستانی سماج کی عورت کو موضوع بنایا۔ عورت کے جذبات اور نفسیاتی کشمکش کو مختلف کرداروں کے ذریعے پیش کیا۔ وہ کہتی ہیں:

''ہر رائٹر نے عورت کو کردار بنایا کیونکہ عورت کے چاروں طرف زندگی ہے جو عورت اپنے عورت ہونے کو نہ سمجھے، میں اس عورت کے خلاف ہوں۔''(۴)

ناصرہ شرما کو بہت سی تصانیف پر ادبی ایوارڈ اور اعزازات سے بھی نوازا گیا ہے۔ ۱۹۸۸ء میں انھیں پہلے ہی ناول "شالملی" سے ادبی حلقوں میں بہت شہرت حاصل ہوئی۔ اس ناول کو بہار راجیہ بھاشا کا "مہادیوی ورما پرسکار" ایوارڈ ملا۔ ۲۰۰۸ء میں اردو اکیڈمی پٹنہ نے اس ناول کو ادبی ایوارڈ عطا کیا۔

"شالملی" ایک مکمل معاشرتی ناول ہے جس میں ایک پڑھی لکھی عورت کو سماج کے بنائے گئے بندھنوں اور رسم و رواج میں قید دکھایا گیا ہے۔ یہ ایک ایسے معاشرے کو پیش کرتا ہے جس میں مرد، عورت کے جذبات و احساسات اور خواہشات کا خیال کیے بغیر جسمانی ضرورت پوری کرنے کو اہمیت دیتا ہے اور عورت ایک سمجھوتے کے تحت اپنی ساری زندگی گزار دینے پر مجبور ہوتی ہے۔ سماج کا طاقت ور عنصر مرد ہے جو ایک عورت کے نازک احساسات و خواہشات کو سمجھے بغیر اسے صرف اور صرف ایک کھلونے کی طرح سمجھتا ہے۔ ناول کا مرکزی کردار شالملی ایک پتی ورتا عورت ہے جو اپنے شوہر نریش کو جسم کے ساتھی سے زیادہ دل کا ساتھی بنانا چاہتی ہے جس سے بات کرکے دل کی ساری گنجلیں خود بخود کھل جائیں جبکہ نریش ایک ہٹ دھرم قسم کا شوہر ثابت ہوتا ہے۔ ناول سے اقتباس ملاحظہ کریں:

''وہ نریش کو صرف جسمانی طور پر سپرد کر پاتی ہے۔ روح اور احساس اسی طرح بے لمس خاموش پڑے رہتے ہیں۔ دل کے ساتھی کے کیا معنی ہوتے ہیں! اکثر کروٹ بدل کر وہ سوچتی۔ کہ یہ تمام باتیں وہ سوچ کی حد تک محسوس کرتی ہے وگرنہ نریش تو کب کا نیند میں ڈوب جاتا ہے اور اسے محسوس ہوتا ہے کہ وہ محض ایک بے جان لباس ہے، جسے ضرورتاً پہنا جاتا ہے اور ضرورت ختم ہوتے ہی اتار کر رکھ دیا جاتا ہے۔ روز روز کی اس لباس پوشی سے وہ تھکنے لگی ہے۔ پیاس بجھنے کی جگہ بھڑکتی ہے۔ جسم سے ماورا بھی تو ضرورت ہوتی ہے انسان کی، ورنہ کان، آنکھ، زبان اور دل انسان کو کیوں ملے ہیں؟ اچھا سننے اور بولنے، سمجھنے اور محسوس کرنے کو، اپنی اس قوت کو وہ کس پتھر کے نیچے دبائے، جو اپنا سر نہ اٹھا سکے؟''(۵)

ناصرہ شرما نے اس ناول میں بڑی خوب صورتی کے ساتھ عورت کے باطن کی عکاسی کی ہے۔ ایسی عورت جو ساری عمر ایک کٹھ پتلی کی طرح اپنی زندگی مرد کے اشاروں پر ناچتے ہوئے گزار دیتی ہے۔ اس کے بھی کچھ میٹھے سپنے اور ارمان ہوتے ہیں جنھیں وہ بچپن سے

بنتی اور سنبھالتی چلی آرہی ہوتی ہے۔ ناصرہ شرما نے متجسسانہ اور استفہامیہ انداز اختیار کرتے ہوئے شالملی کی سوچ کو بیان کیا ہے۔ ناول میں ان کا استعاراتی اندازِ بیان بھی نظر آتا ہے:

"چوکیدار کی آٹھ دس سال کی لڑکی نظر آتی، جو اپنے باپو کے لیے رات کو آگ تاپنے کا ایندھن جمع کرتی ہوتی۔ کبھی کبھی وہ اس لڑکی کو اچھلتے کودتے اور کبھی کبھی بے دردی سے پٹتے دیکھ کر سوچتی، اس لڑکی کے سپنے کیا ہوں گے؟ یہ کیا سوچتی ہوگی؟ یہ کیا پانا چاہتی ہے؟ اس کا سنسار کتنا محدود، کس قدر وسیع ہوگا؟۔۔۔ یا پھر یہ۔۔۔ یہ کچھ بھی نہ سوچتی ہوگی۔ عورت حقیقتاً اپنے آپ میں کیا ہے؟ اس دھرتی پر وہ کیا کرنے آئی ہے؟ شالملی لاکھ چاہنے پر بھی ان سوالوں کے جواب نہ ڈھونڈ پاتی اور کہیں اندر ہی اندر بکھرنے لگتی جیسے شریش کی پھلی کو مینا اپنی تیز نوکیلی نارنجی چونچ سے توڑ توڑ کر اس کے بیج چگتی اور پھلی کے چکنے سنہرے بادامی چھوٹے ٹکڑے ہوا کے ساتھ جانے کہاں کہاں اڑ جاتے۔۔۔ اور شالملی خود کو انہی کے ساتھ اڑتا ہوا محسوس کرتی۔"(۶)

ناصر شرما نے "شالملی" میں ہندوستانی معاشرت کی پیشکش بھی خوبصورتی سے کی ہے۔ وہ دیہی ماحول کو لفظوں کے تانے بانے سے پر کشش انداز میں نمایاں کرتی ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ہندی دیہی رکھ رکھاؤ، ہندی زیور "بچھوے" اور گاؤں کے رسم و رواج کو فطری انداز میں اجاگر کرنے کا ہنر رکھتی ہیں۔ ناول میں سادہ اور سچے لوگوں کے اپنی زمین سے جڑت کے احساس کو باریک بینی سے بیان کیا گیا ہے:

"چاندنی کے بچھوے اور بھری بھری سی مانگ، چھن چھن کرتی چوڑیوں کی آواز اسے بھاتی۔ اُس گھر کے ماحول سے کتنا الگ ہے اِس کے اپنے گھر کا ماحول!۔۔۔ وہاں سوچ کا چیخ رنگ مختلف کتابوں اور ناموں کے دائروں میں بندھے ہوئے ہیں۔ وہاں کا دھرم، وہاں کی طرز جدا ہے اور یہاں زندگی کے طور طریقے رسم و رواج کے مرہونِ منت ہیں۔ اسے دونوں ہی پیارے لگتے ہیں۔ دونوں کے بغیر جیون ادھورا ہے۔ لوٹنے کے روز پورا گاؤں ودائی کے لیے جمع ہو گیا تھا۔ زمین سے جڑے لوگ اپنے اظہار میں کس قدر سچے ہوتے ہیں۔"(۷)

شالملی شادی شدہ زندگی کو اچھے طریقے سے نبھانے کے لیے ہر طرح کے سمجھوتے سے کام لیتی ہے۔ وہ چاہتی ہے کہ اس کا شوہر یہ نہ سمجھے کہ بیوی افسر ہو کر اسے نیچا دکھانا چاہتی ہے یا کسی احساسِ کمتری میں مبتلا کرنا چاہتی ہے۔ وہ اپنی نوکری کے ساتھ ساتھ نریش کے کھانے پینے اور گھر کو سنبھالنے کی ذمہ داری عمدگی سے ادا کرتی ہے۔ نریش کا رویہ اُس کے ساتھ منہ زور مرد کی طرح ہوتا ہے جو اپنی مردانگی کے بل پر بیوی کو نیچا دکھانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتا۔ شالملی جب بھی مائیکے جاتی تو کوشش کرتی کہ اس کے ماتا پتا اس

کے اور نریش کے درمیان کشیدگی کو محسوس نہ کر سکیں۔ ناصرہ شرما نے ماں باپ کی فکر اور چِنتا کو خوبصورت مکالماتی انداز میں پیش کرتے ہوئے عورت کی نفسیات پر بھی بڑی گہرائی اور باریکی سے روشنی ڈالی ہے:

"شالملی سکھی ہے نا؟

لگتا تو ہے۔

دل میں کبھی کبھی شک کا گزر ہوتا ہے کہ کہیں۔۔۔۔

کیسا اندیشہ؟

یہی کہ کہیں وہ ہم سے اپنے دل کی بات چھپاتی تو نہیں ہے؟

ہو سکتا ہے، لیکن۔۔۔۔

اس بار آئے تو پوچھ کر دیکھنا شیامل۔

اچھا پوچھوں گی۔

اتنا یقین ہے مجھے اُس پر کہ ہر دکھ جھیل لے گی۔

وہ تو ہر عورت کو جھیلنا پڑتا ہے۔

وقت پڑا تو وہ بنا ہمیں بتائے اس مشکل کا سامنا کر لے گی۔

وہ تو سب کو کرنا پڑتا ہے۔

وہ تو ہے، مگر ہماری شالو کا ٹیلنٹ دوسروں سے الگ ہے۔

سب کو اسی کا گمان ہوتا ہے۔"(۸)

شالملی اپنے ماں باپ کی اکلوتی اولاد ہوتی ہے لیکن بیٹی ہونے کے ناطے شادی کے بعد ماں باپ کی خدمت اور ان کا خیال رکھنے کے لیے انہیں اپنے ساتھ نہیں رکھ سکتی تھی کیونکہ معاشرے میں اس بات کو معیوب سمجھا جاتا ہے۔ بیٹیاں جو کہ پرایا دھن ہوتی ہیں، ماں باپ انہیں پال پوس کر جوان کرتے ہیں لیکن معاشرتی قاعدے اور سماجی رسم و رواج کے بندھن میں بندھی بیٹیاں اپنے ہی ماں باپ کو معاشرے اور سسرالی طعنوں کی وجہ سے اپنے ساتھ نہیں رکھ سکتیں۔ شالملی ایسے تمام رواجوں اور معاشرتی قاعدوں کو توڑ دینا چاہتی ہے جو بیٹیوں کو جنم دینے والے ماں باپ کی ذمہ داری لینے سے انحراف کرنے پر مجبور کرتے ہے۔ ایک اقتباس ملاحظہ کریں:

”آدھی رات کو ماں پاپا کو اگر کسی چیز کی ضرورت پڑی تو وہ کسے پکاریں گے ؟اسے انہوں نے کس لیے پالا پوسا اور جنم دیا، صرف اپنے سکھ کے لیے؟ فرض کرو ، یہ ان کی ذمہ داری تھی تو یہ ذمہ ان کے لیے کیوں نہیں ہے، صرف اس لیے کہ وہ لڑکی ہے؟ لڑکی ماں باپ کو اپنے گھر لا کر نہیں رکھ سکتی ہے، بڑھاپے میں ان کی خدمت ساس وسسر کی طرح نہیں کرسکتی ہے۔ آخر کیوں؟ لڑکی خود بے رحم ہوتی ہے یا سماج کے قاعدے؟ کیا سماج نے ان کے لیے کوئی قاعدہ نہیں بنایا، جنہوں نے بیٹوں کو جنم نہیں دیا۔۔۔وہ کہاں جائیں؟“(۹)

شالملی اپنے ازدواجی رشتے کو روح کی تازگی سے پختگی دینا چاہتی تھی لیکن جب یہ کوشش یک طرفہ ہو تو یہی بنیاد ایک اونچی دیوار میں تبدیل ہو جاتی ہے جسے پار کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ دو کردار اِس دیوار کے دونوں طرف اپنے اپنے دائروں میں رہ کر زندگی گزارنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ناول میں شالملی کے کردار میں نریش سے جڑنے کی خواہش خوب جھلکتی ہے لیکن نریش کو تو اپنے آپ کو کھولنا، دوسروں پر ظاہر کرنا، بانٹنا اور کسی کے ساتھ ساجھا کرنا آتا ہی نہیں، چاہے وہ اس کی زندگی کی ہمسفر اور ساتھی ہی کیوں نہ ہو لیکن اس کے برعکس مرد ہونے کا حق اسے اچھے سے لینا آتا تھا۔ اقتباس دیکھیے:

”مجھے یہاں بھی اپنا ادھیکار لینا آتا ہے۔ محبت سے یا طاقت سے، جس طرح میں چاہوں گا۔ تمہارا روٹھنا، تمہارا اکڑنا فضول ہے۔ نریش نے طنز سے کہا۔

چھوڑو! شالملی کسمسائی۔

تم جاننا چاہو گی، مرد کی نظر میں عورت کیا ہے؟۔۔۔استعمال کرنے کی چیز۔۔۔یہی اس کی پہچان ہے۔ اس لیے تم عورت کی طرح رہو، اسی میں تمہارا بھلا ہے اور اس گھر کی خیریت اور سکھ۔۔۔“(۱۰)

شالملی اپنی زندگی کو حالات پر چھوڑ دیتی ہے کیونکہ موسموں کی آمد اور رخصت میں وہ قدرت کے فطری قاعدے کو سمجھ چکی تھی۔ اسے نوکری کے سلسلے میں جب بھی مختلف حلقوں میں جانے کا موقع ملا، ہر جگہ پر ایک جیسے انسانی رویے دیکھنے کو ملے اور وہ تھے، استحصال، بدعنوانی، ظلم، جبر، مکروفریب اور رشتوں میں کھوٹ و شکستگی۔ ان سب میں ایک آواز ہر جگہ گونجتی ہے۔۔۔مرد و عورت کے بیچ اعتماد اور حقیقی جرأت کی کمی۔ مرد چاہے دوسری عورتوں کے ساتھ وقت گزاری کرے لیکن اپنے رشتے کو بچانے کے لیے جھکنا عورت کو ہی پڑتا ہے۔ ناصرہ شرما نے "شالملی" میں مرد عورت کے رشتے کے اس پہلو کی بھی بڑی صاف اور سچی تصویر کشی کی ہے۔ شالملی جب نریش سے دوسری عورتوں سے تعلقات کے بارے میں پوچھتی ہے تو وہ اس طرح جواب دیتا ہے:

”قاعدے قانون صرف کاغذ پر لکھنے کے لیے ہوتے ہیں یا پھر تم عورتوں کے لیے بنائے جاتے ہیں۔ ان سے ہٹ کر ایک اور قانون ہوتا ہے، جو ہم مردوں میں رائج ہوتا ہے ۔اس کا اپنا آئین ، اپنا ضابطہ، اپنا مذہب ہوتا ہے۔ میں جو کچھ کر رہا ہوں، اسی میں رائج ضابطوں کے مطابق کر رہا ہوں، سمجھیں؟

یہ تمہارے ضمیر کی آواز ہے؟

یہ پورے مرد سماج کی آواز ہے۔

بھگوان کے لیے سارے مردوں کو مت لپیٹو! کہو کہ یہ ایک مخصوص طبقے کے خیالات ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ دنیا کبھی کی ختم ہو جاتی۔

میرا دھرم بنتا ہے کہ میں تم سے پوچھوں کہ تم کس کے تئیں سنجیدہ اور ایماندار ہو؟

دونوں کے۔۔۔تم دھرم پتنی۔۔۔گھر کی شوبھا، گھر میں رہو اور باقی تو تفریح کا سامان ہے۔ کون ان کو سنجیدگی سے لے سکتا ہے؟

یہ پاپ ہے۔ وہ نادان ہیں، مگر تم خود کو یوں مت بکھیرو۔ عورت کا اپمان کر کے تمہیں کونسا سکھ ملتا ہے؟

وہی۔۔۔جو تم عورتوں کو ہماری برابری کرنے میں ملتا ہے۔“(۱۱)

ناصرہ شرما کا ناول "شالملی" ہندوستانی سماج میں عورت کی خانگی زندگی کی ایک تلخ تصویر کشی سمجھا جاسکتا ہے۔ انھوں نے اس ناول کے دونوں مرکزی کردار شالملی اور نریش چونکہ ہندوستانی سماج سے لیے ہیں اس لیے ان کے مکالموں میں ہندی کی لفظیات بھی شامل کی ہیں تاکہ گفتگو میں حقیقی رنگ ظاہر ہو اور مرقعے مکمل ہوں۔ موضوع کے اعتبار سے یہ ایک اہم ناول ہے جسے تانیثیتی ادب کی اہم کڑی بھی سمجھا جا سکتا ہے۔

"شالملی" کے مرکزی کردار شالملی اور نریش کے علاوہ شیامل، سروج، گریش، سدھارتھ، جگدیش اور بیلا کے کردار اس کہانی کو آگے بڑھاتے ہیں۔ شالملی کے پڑوس میں رہنے والے ورما جی کا اپنی پتنی کے لیے رویہ بھی کہانی کے مرکزی موضوع کو ہی سامنے لاتا ہے۔ وہ ایک ایسا کردار ہے جس کے لیے پتنی اس وقت اہمیت اختیار کرتی ہے جب اسے زندگی میں سہارا دینے اور سنبھالنے والا کوئی اور نہیں رہتا۔ وہ تمام عمر دوسری عورتوں کی قربت میں گزارتا ہے لیکن جب بیمار پڑتا ہے تو گاؤں سے اپنی پتنی کو لے آتا ہے۔ اقتباس دیکھیے:

"زندگی بھر اپنے آدمی کو چھونے کی خواہش بڑھاپے میں ان کے کپڑوں کے لمس سے اپنے زخموں پر مرحم رکھ کر صبر کرنے والی عورت کون ہے؟ اور خوش نما ایام کا کوئی بھی ہمدم رفیق ورما جی کو سہارا دینے کے لیے اس

بیماری مین نہیں ٹھہرا، تو وہ کون تھی؟ اور اب عمر کے اس ڈھلان پر صرف ایک ضعیف جنم جنم کا ساتھ نبھانے کی قسم کو آج بھی نبھا رہی ہے، اور ورما جی کس چیز کی تلاش میں اس سوگندھ کو بھول گئے تھے؟"(۱۲)

شالملی کا کردار اس الجھاؤ کا شکار نظر آتا ہے کہ مرد اور عورت دونوں میں سے قصوروار کون ہے، کیا وہ عورت قصوروار ہے جس کے منھ میں زبان ہوتے ہوئے بھی وہ کبھی صدائے احتجاج بلند نہیں کر پاتی یا پھر وہ مرد جس نے اس زبان پر بھی اس سوچ کا تالا لگایا ہوا ہے کہ اسے چھوڑ کر یا اس سے الگ ہو کر بھی معاشرے میں عورت کے لیے رسوائی ہی ہے، اول تو وہ خود سے علیحدگی کا قدم اٹھا نہیں سکتی اور اگر اٹھا بھی لے تو معاشرہ اسے تنہا بھی جینے نہیں دیتا، یوں اسے بیک وقت اپنے آپ سے اور معاشرے سے نبرد آزما ہونا پڑتا ہے۔ شالملی کی دوست سروج اُسے مشورہ دیتی ہے کہ وہ اپنے شوہر نریش سے الگ ہو جائے تو شالملی نہیں مانتی کیونکہ اسے متذکرہ بالا کشمکش کا بھی شدید احساس ہے۔ اُس کے خیال میں عورت ایک مرد سے چھٹکارا حاصل کر بھی لے تو اسے معاشرے میں بہت سے دوسرے مردوں سے سامنا کرنا ہو گا جو اسے زیادہ بڑا امتحان محسوس ہوتا ہے۔ ناصر شرما شالملی کے کردار کی نفسیاتی کشمکش کو بھی بہ طریقِ احسن پیش کرتی ہیں اور اس کردار کے رویے میں مردانہ معاشرے کا ایک عورت پر ذہنی گرفت کا رُخ بھی سامنے آتا ہے۔

"شالملی" بحیثیت مجموعی صرف ہندوستان ہی نہیں بلکہ برصغیر سے تعلق رکھنے والی ایک عام عورت کی جذباتی زندگی کی بھی نفسیاتی کشمکش کو پیش کرتا ہے۔ اس ناول کے کردار خواہ ہندو سماج سے تعلق رکھتے ہیں لیکن وہ ہمارے پاکستانی سماج کے بھی زندہ کردار ہیں جن کے رویے عورت کے ساتھ مشترک ہیں۔ اس ناول کے اسلوب میں ہندی بول چال کی چاشنی اور ہندو معاشرے کے رہن سہن کی تصویر کشی اسے پاکستانی قارئین کے لیے اور زیادہ دلچسپ بنا دیتی ہے۔ گو کہ یہ ناول آج سے پچیس برس پہلے لکھا گیا لیکن اس کے کرداروں میں موجود ذہنی کشمکش، خانگی زندگی کی بے چینی اور بے یقینی حسبِ حال معلوم ہوتی ہے۔ گویا گزشتہ پچیس برسوں کی مادی، تمدنی اور سائنسی ترقی نے برصغیر کے سماج کے مردانہ ذہن کی عورت کے بارے میں سوچ کو بہت زیادہ تبدیل نہیں کیا۔

حوالہ جات / حواشی

۱۔ ناصرہ شرما ۲۲ اگست ۱۹۴۸ء میں الہ آباد میں پیدا ہوئیں۔ ان کا آبائی وطن اُتر پردیش کا گنگا جمنا سرسوتی کے سنگم والا تاریخی شہر الہ آباد ہے۔ وہ ایک ادبی اور تعلیم یافتہ خاندان سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان کے والد پروفیسر سید ضامن علی ایک شاعر تھے اور الہ اباد یونیورسٹی کے اردو شعبہ سے وابستہ رہے۔ ان کے شوہر رام چندر شرما جواہر لال نہرو یونیورسٹی دہلی میں پروفیسر تھے۔ ناصرہ شرما نے ابتدائی تعلیم ایس۔ ٹی اینتھونی سکول اور ہمدیہ گرلز کالج سے حاصل کی اور الہ آباد یونیورسٹی سے بی اے کیا۔ جدید فارسی زبان و ادب میں جواہر لال نہرو یونیورسٹی نئی دہلی سے ۱۹۷۸ء میں ایم۔ اے کیا۔ ناصرہ شرما ہندی، انگلش، اردو، فارسی اور پشتو زبان میں مہارت

رکھتی ہیں۔ انہوں نے نئی دہلی کی جامعہ ملیہ اسلامیہ یونیورسٹی کے شعبہء فارسی میں درس وتدریس کا سلسلہ شروع کرکے زندگی کے میدانِ عمل میں قدم رکھا۔

۲۔ https://youtu.be/w71_xPDlavw

Cited on: 12-01-2023, 11:26PM

۳۔ ایضاً

۴۔ ایضاً

۵۔ ناصرہ شرما، شالملی، (لکشمی نگر: تخلیق کار پبلشرز، ۲۰۰۸ء)، ص۲۹

۶۔ ایضاً، ص۴۳

۷۔ ایضاً، ص۵۶

۸۔ ایضاً، ص۸۰

۹۔ ایضاً، ص۱۱۵

۱۰۔ ایضاً، ص۱۵۵

۱۱۔ ایضاً، ص۱۷۴

۱۲۔ ایضاً، ص۴۴